رجسٹرڈ نمبر اے ۹۲۲
ٹیلی فون نمبر ۷۹

تار کا پتہ
گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ ۲ آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | ۱۵ نومبر ۱۹۵۴ء | اڈیٹر۔ قاضی عبدالغفار | ۱۸ ربیع الاول ۱۳۷۴ھ | نمبر ۴۶

اردو دوستوں کی اردو دشمنی ——— بھوپال

بھوپال کے ماہنامہ کردار نے وہاں کے اردو دوستوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"بھوپال اسٹیٹ اردو کنونشن نے اردو کو بھوپال کی علاقائی زبان تسلیم کرکے اس تحریک کو انجمن ترقی اردو کے سپرد کردیا تھا۔ اور صحیح طور پر بڑی بھاری ذمہ داریاں اس کے کاندھوں پر ڈال دی تھیں۔ لیکن افسوس ہے کہ انجمن ترقی اردو ان کو واقعی طور پر محسوس نہیں کرسکی۔ کنونشن کو دو ماہ ہوچکے ہیں۔ مگر اس کی گونج بھی اب سنائی نہیں دیتی جو انجمن ترقی اردو کے اسٹیج پر اٹھنی چاہئے تھی۔ جہاں تک بھوپال کا تعلق ہے۔ مقامی انجمن کا یہ حیرت خیز انتخاب کے دوسرے ہی دن بعض ممبران و عہدہ داران کے استعفوں کی خبر افسوسناک ہی نہیں بلکہ اردو کی سسکتی ہوئی لاش کیلئے ایک شدید جھٹکا ہے۔ جس کا نتیجہ محض دم واپسیں ہی ہوگا .... اور وہ بھی اپنے ہی ہاتھوں سے۔ ان حالات میں مرکزی انجمن ترقی اردو پر بھی بہت بھاری ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اور ہم اس کے ذمہ داران سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس طرف فوری توجہ مبذول کرکے بروقت نظم و ضبط اور رہنمائی کا فرض انجام دے۔ افسوس ہے کہ مقامی انجمن نے فضل علی کمیشن کے سامنے اردو بولنے والوں کی ترجمانی نہ کرکے اپنی فرض ناشناسی ہی نہیں بلکہ مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کیا ہے۔"

مندرجہ بالا عبارت میں بار بار بھوپال کی "انجمن ترقی اردو" اور اس کے ساتھ مرکزی انجمن کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے ہم حیران ہیں کہ بھوپال میں وہ کون سی "انجمن ترقی اردو" ہے جس کا کوئی ربط مرکزی انجمن سے قائم ہے یا جو حسب ضابطہ مرکزی انجمن کی شاخ اور اس کی تنظیم کے ماتحت کام کررہی ہے۔ اخباروں میں بھوپال کی اس انجمن ترقی اردو کا نام تو ہم نے کئی دفعہ پڑھا ہے اور اردو کنونشن کا بھی کچھ حال ہمیں اسی طرح معلوم ہوچکا ہے۔ لیکن ایسے متعدد اداروں کی طرح جو مرکزی انجمن سے تعلق قائم کئے بغیر انجمن کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایک بھوپال کا یہ ادارہ بھی ہے۔ ہم نے اس بات کو گوارا کیا تھا۔ کہ اگر یہ جماعت اردو کی کوئی خدمت کرے تو مرکزی انجمن کے نام کا ناجائز استعمال بھی اپنے لئے جائز رکھے،

لیکن ایسی فرضی انجمنیں عموماً شخصی اور جماعتوں کی ہنگامی اغراض کو پورا کرنے کے لئے بنائی جایا کرتی ہیں۔ اور اسی لئے بہت جلد آپس کی پھوٹ اور تفریق ان کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے۔ ایسا ہی کچھ حال بھوپال کی نام نہاد "انجمن ترقی اردو" کا ہو رہا ہے۔

مرکزی انجمن کا اصول ہمیشہ یہ رہا ہے کہ جو ادارے اور جماعتیں اس کی تنظیم سے علاوہ کر بھی کچھ کام کرتی ہوں ان کی ہمت افزائی کرے۔ اور صرف اس لئے ان کو نظر انداز نہ کرے کہ ان کا الحاق مرکز سے نہیں ہوا ہے۔ اسی اصول کی بنا پر جب بھی بھوپال کے کارگزاروں کی طرف سے کوئی آواز اٹھی۔ مرکزی انجمن نے اس کو توجہ اور ہمدردی سے سنا۔ لیکن تجربے بہت تلخ ہو چکے ہیں اور اردو کنونشن کے نقاروں کی آواز ہمیں بہت کھوکھلی معلوم ہوئی جب ہم نے دیکھا کہ اس پلیٹ فارم پر عہدوں اور انتخابات کی کشمکش بھی جاری ہے۔

بھوپال اپنی جگہ کوئی ایک ہی مثال نہیں ہے۔ مختلف مقامات پر اردو کا نام لیکر تحریکیں شروع ہوتی ہیں اور پھر اشخاص کی شخصی اغراض کا ٹکراؤ ان کو شروع ہونے سے پہلے ہی مفلوج کر دیتا ہے۔

معاصر کردار کو ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مرکزی انجمن کی تنظیم سے بھوپال کی کسی جماعت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر بھی اگر کوئی شخص جماعت مرکزی انجمن کی تائید چاہے تو ہم اس کی امداد کرنے پر آمادہ ہیں لیکن یہ تو مرکزی انجمن پر ظلم ہے کہ اس کا نام لے کر یہ کھیل کھیلے جائیں اور ان کے ناکام نتائج کی ذمہ داری کو مرکزی انجمن پر ڈالنے کی کوشش کی جائے۔

مئی ۱۹۵۱ء سے اس وقت تک ڈھائی سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے میں جو لوگ انجمن ترقی اردو کے نام سے بھوپال میں کام کرنے کا بہانہ کرتے ہیں۔ ان کو بار بار توجہ دلائی گئی کہ یا تو مرکزی انجمن سے اپنی شاخ کا الحاق کرائیں یا پھر اس نام کو ترک کر دیں اور جس نام سے چاہیں اردو دوستی کی دوکان کھولیں۔ لیکن بار بار وعدے کرنے کے باوجود آج تک الحاق کی درخواست وصول نہیں ہوئی۔ اب جبکہ کردار نے بھوپال میں بے عملی کی ذمہ داری مرکزی انجمن پر ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ضروری ہو گیا ہے کہ حقیقت حال عرض کر دی جائے۔

مرکزی انجمن ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے اور اس کا نام بھی رجسٹرڈ ہے۔ جو لوگ اس کی اجازت کے بغیر اس کے نام کو استعمال کرتے ہیں۔ وہ بہت بڑی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری اپنے اوپر عاید کرتے ہیں۔

ہمیں افسوس ہے کہ اس تلخ حقیقت کو بیان کرنے پر ہم مجبور ہوئے لیکن مقصد محض تعریض نہیں ہے بلکہ اصلاح حال ہے ——— ان دوستوں کی اصلاح حال جو باتیں زیادہ کرتے ہیں اور کام کم۔

اردو کنونشن کے فیصلوں کے متعلق بھوپال میں کوئی تحریک صرف اس لئے آگے نہ بڑھ سکی کہ وہاں کے کارکنوں میں اشتراک عمل کی اسپرٹ مفقود معلوم ہوتی ہے اور اس کام میں دوستوں کی جدوجہد پارٹی بندی اور ذاتی اغراض سے آلودہ ہے۔

جو کچھ ہم نے بھوپال کے متعلق لکھا ہے۔ یہ سب ان تمام نام نہاد شاخوں پر بھی عاید ہوتا ہے جو مرکزی انجمن کے نام کا ناجائز استعمال کر رہی ہیں۔ اور ان کے کام میں تشہیر بہت ہے مگر قوت عمل بہت کم ہے ——— پھر ان دوستوں کا دعویٰ ہے کہ وہ اردو زبان کے بڑے حامی اور پرستار ہیں! ——— ہوں گے ہمیں تو معلوم نہیں۔

شاہ گنج میں اردو کانفرنس

ہم شاہ گنج کی شاخ انجمن ترقی اردو کو مبارکباد کا مستحق سمجھتے ہیں کہ اس نے پہلی دفعہ ان اطراف میں ایک کامیاب اردو کانفرنس کا انتظام کر کے اردو کی تحریک کو عوام تک پہنچایا۔

سید احتشام حسین صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں بہت سی کام کی باتیں کہی ہیں جن میں سب سے زیادہ قابل غور اردو زبان کو آسان اور زیادہ عام فہم بنانے کا سوال ہے۔ درحقیقت ہندی زبان کو بگاڑنے والے ایسی حماقت کے ساتھ اس کو عوام سے دور لے جا رہے ہیں کہ آسان اردو کا راستہ خود بخود صاف ہوتا جا رہا ہے بشرطیکہ اردو دوستوں کو اس حقیقت کا پوری طرح احساس ہو کہ اردو کی ترقی کا انحصار عوام کی مقبولیت پر ہے۔

سید احتشام حسین صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان تدبیروں کی کافی پردہ دری کی ہے جو اردو کے وجود کو اتر پردیش میں فنا کر دینے کے لئے اختیار کی جا رہی ہیں۔ مگر اپنے خطبہ کے آخر میں انھوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ علاقائی تحریک اور صدر جمہوریہ کی خدمت میں یادداشت پیش ہونے کے بعد اتر پردیش کی حکومت کے رویہ میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔ ہمارے پاس دن رات ہر سمت سے یہ شکایتیں آتی رہیں ہیں کہ تعلیمات کے ماتحت حکام حکومت کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے۔ اور عام طور پر دوسرے محکموں کے حکام بھی اردو کے معاملے میں بلا تکلف اپنی تنگ دلی اور تعصب کا اظہار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ برسر عدالت کہدیا جاتا ہے کہ جو شخص ہندی نہ جانتا ہو وہ پاکستان چلا جائے۔ اس طرح جو کچھ حکومت ہمیں دیتی ہے اس کے ماتحت حکام ہم سے چھین لیتے ہیں!

علاقائی تحریک کے ذریعہ سے اردو کے معاملے کو صدر جمہوریہ تک پہنچانے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اتر پردیش میں اردو زبان کو آئینی تحفظات حاصل ہو جائیں۔ اس وقت جو مراعات بادل ناخواستہ ہماری یادداشت کے اثر کو کم کرنے کے لئے دی جا رہی ہیں وہ درحقیقت انتظامی احکام ہیں جن کو کسی وقت بھی کوئی وزیر تعلیم بیک گردش قلم منسوخ کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اردو کے لئے پھر روز اول ہوگا۔ اور اس کی زندگی انتظامی حکام اور ریاستی وزیروں کے رحم و کرم پر منحصر ہوگی۔ یہ ہم نہیں چاہتے۔ ہم اس مسئلے کو ریاستی حکام کے اقتدار سے نکال کر مستحکم آئینی تحفظات حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیشہ کے لئے اتر پردیش میں اردو زبان کی علاقائی حیثیت محفوظ ہو جائے۔

اردو کے مخلص دوستوں کو مسئلے کے اس پہلو پر غور کرنا چاہئے اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ انجمن ترقی اردو کا مطالبہ اقل ترین مطالبہ ہے جس میں شاید مرکزی حکومت سے تو کسی حد تک سمجھوتہ ہونے کی امید ہو سکتی ہو لیکن ریاستی حکومت سے نہیں۔ اس لئے کہ اصل سوال تو اردو کے مسئلے کو ریاستی حکومت کے حیطۂ اختیار سے نکال کر مرکزی حکومت اور ہندوستان کے دستور اساسی کے زیر اقتدار لانا ہے

ہلکے ہلکے اشارے

بلند شہر (بذریعہ ڈاک) نامہ نگار الجمعیۃ کو ایک ایسے واقعہ کی اطلاع ملی ہے جس میں ایک حاکم عدالت (اپیل) نے ہندی نہ جاننے پر اپیل کنندہ کے حقیقی بھائی اور پیروکار کو یہ کہہ کر کمرہ عدالت سے باہر نکلوا دیا کہ "اگر تم ہندی نہیں جانتے ہو تو تم پاکستان چلے جاؤ۔ یہاں تمہارے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

واقعات اس طرح بتلائے جاتے ہیں کہ ایک اپیل کنندہ نے عدالت متعلقہ میں ایک اپیل کی تھی۔ جب جج کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو جج نے پیروکار کی توجہ اپیل کنندہ کے بیان کی طرف دلائی۔ جس پر موصوف نے فرمایا کہ میں ہندی نہیں جانتا۔ اس لئے یہ بیان پڑھنے سے قاصر ہوں۔

بتایا جاتا ہے کہ اتنا سنتے ہی جج مذکور کو طیش آ گیا اور انھوں نے مطالبہ کیا کہ اگر تم ہندی نہیں جانتے ہو تو تم پاکستان چلے جاؤ تمہارے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں۔

جج کے اس نازیبا رویہ پر پیروکار نے عرض کیا "حضور! آپ مجھ کو پاکستان بھیجنے کا نہ کوئی حق رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی آپ کو یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کرنے چاہئیں۔" لیکن معلوم ہوتا ہے کہ حاکم عدالت پر ان کی اس بات کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اور مزید طیش میں آ کر چپراسی کو حکم دیا کہ وہ ان کو عدالت سے باہر کر دے ......"

لیجئے! شیخ صاحب تو نکالے گئے میخانہ سے!! — اور کیوں نہ نکالے جاتے۔ جب انھوں نے ہندی زبان سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کر کے گویا عدالت کی رائے میں ہندوستان کی شہریت سے استعفا دے دیا!!

یہ واقعہ بلند شہر کا بتایا جاتا ہے — اگر کسی اور ریاست کا ہوتا تو شاید ہمیں تعجب ہوتا۔ لیکن بلند شہر تو ہمارے اتر پردیش میں واقع ہے۔ اور اگر یہاں کوئی شخص ہندی سے اپنی ناواقفیت کا اعتراف کرے تو اس کے لئے سیدھا راستہ پاکستان ہی کا ہے!! — جائیے پیروکار صاحب خدا حافظ! مگر کبھی کبھی جج صاحب کو اپنی خیریت کا خط ضرور لکھتے رہا کیجئے!!

انجمن کی خبریں

اورنگ آباد (دکن)

اورنگ آباد اردو کانفرنس کی قراردادیں

اورنگ آباد ۲۰؍اکتوبر۔ کل رات دیر گئے مشاعرہ کے بعد اردو کانفرنس اورنگ آباد کا سہ روزہ پروگرام اختتام کو پہونچا۔ اس سے قبل تین قراردادیں منظور کی گئیں۔ پہلی قرارداد میں جو مسٹر شیخ لال پٹیل کی تحریک اور قاضی معین الدین کی تائید سے پیش ہوئی تھی حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے سہولتیں اور مالی امداد مہیا کی جائے۔ عدالتوں اور بلدی دفاتر میں اردو درخواستیں قبول کی جائیں۔ اورنگ آباد کے دفاتر کا کام اردو زبان میں بھی انجام پایا کرے۔ اردو داں ملازمین سرکار کو سہولتیں دی جائیں۔ اردو رسائل، ادبی، تعلیمی اور سماجی جریدوں کی سرکاری امداد کے ذریعہ ہمت افزائی کی جائے۔ حکومت اردو اسکالرس اور شاعروں کو انعامات دے۔ اور پبلک سروس کمیشن اور حکومت کے پریس نوٹ اردو زبان میں شائع کئے جائیں۔ اور اشتہارات کی اشاعت کے وقت اردو اخبارات و رسائل کا لحاظ رکھا جائے۔ سرکاری سائن بورڈس اردو زبان میں بھی لکھے جائیں۔ قرارداد میں مزید کہا گیا ہے کہ اردو کسی طرح مرہٹی علاقائی زبان کی ترقی کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہتی۔ بلکہ وہ ترقی میں دوستانہ مطمح نظر رکھتی ہے۔

دوسری قرارداد میں جو حبیب الدین نے پیش کی اور اس کی تائید مسٹر مادھو راؤ نے کی۔ جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ چالیس طلباء ہونے پر اردو ذریعہ تعلیم کی جماعتوں کا

انتظام کیا جائے اور فوقانی فنی تعلیم کا اردو زبان میں بندوبست کیا جائے اس کے علاوہ قرارداد میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ حکومت اورنگ آباد کو اردو ذریعہ زبان کے ساتھ بڑے درجے کا کالج بنائے اور موجودہ انگریزی ذریعہ تعلیم ترک کر دیا جائے۔

تیسری قرارداد کے ذریعہ عوام سے اپیل کی گئی ہے کہ وہ بہت تعداد میں اور مرہٹی و اردو سیکشن اور بائی اسکول و کتب خانہ و دارالمطالعہ جات کھولیں، اور اردو کو منوانے کے لئے حکومت پر زور دیں۔ یہ آخری قرارداد مسٹر عیسی خاں نے پیش کی جس کی مسٹر انوار نے تائید کی۔

انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد کے پرنسپل پروفیسر جی این گھٹے نے مرہٹواڑہ ساہتیہ پریشد کی جانب سے اردو کانفرنس کو ایک پیام میں بتایا ہے کہ مرہٹی مصنفین نے اپنے آپ کو اردو ادب سے دور نہیں رکھا۔

انھوں نے کہا کہ مرہٹی ادب اردو اور فارسی ادب سے قریبی تعلق رکھتا ہے۔ مرہٹی میں آج تقریباً ۲۰ فیصدی اردو اور فارسی الفاظ ہیں جسے وہ اس زبان کی ایک بڑی دولت سمجھتے ہیں اور کسی قیمت پر انھیں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

پروفیسر گھٹے نے مزید کہا کہ یہ عوام میں اتحاد اور تعاون کا زمانہ ہے۔ اگر اردو مصنفین مرہٹی تاریخ سے ادب حاصل کرنے پر تیار ہوں تو مرہٹی مصنفین بھی ان سے پورا پورا تعاون کرنے پر تیار ہیں۔

بہوروا رحمت اللہ صاحب عراقی سکریٹری انجمن ترقی اردو بانیار بہوروا تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء ۷ بجے شام کو انجمن کی طرف سے ایک مشاعرہ کاشانۂ ثناء اللہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت کیفی چریا کوٹی صاحب نے فرمائی۔ مقامی شعراء عارف عباسی، آصف عارفی کے علاوہ بیرونی شعراء میں بزمی چریا کوٹی اور مظفر اقبال صاحب نے بھی اپنے کلام سے سامعین کو مسرور کیا۔

مشاعرہ کے مہتمم اعلیٰ حاجی محمد یونس صاحب اور ابوالبرکات صاحب تھے۔ اسٹوڈنٹس لائبریری کے اراکین اور مقامی کالج کے طلبا نے بھی رضاکارانہ فرائض بحسن وخوبی انجام دیے۔

غازی پور عزیز الحسن صاحب صدیقی سکریٹری انجمن ترقی اردو غازی پور تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

حامیان اردو یہ خبر سنکر ضرور مسرت محسوس کریں گے کہ جمیعۃ علماء ضلع غازی پور اور انجمن ترقی اردو کی مسلسل جدوجہد کے بعد ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس غازی پور نے پرائمری اسکولوں میں اردو میں تعلیم دیئے جانے کا آرڈر دے دیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ یہ آرڈر ضلع کے تمام مدرسین کو بھیجدیا گیا ہے۔ تاکہ وہ اسے اپنے حلقہ کے اسکولوں میں پہنچادیں۔ آرڈر ۲۰ ستمبر کو جاری کیا گیا اور بہت سے اسکولوں میں پہنچ چکا ہے۔ لیکن بعض مدرسین نے اپنے حلقہ کے مدرسوں میں آرڈر نہیں روانہ کیا۔ حکم نامہ میں تحریر ہے کہ:۔

کسی درجہ میں کم سے کم دس یا پورے اسکول میں چالیس لڑکے اردو بطور ول زبان پڑھنا چاہتے ہوں تو انھیں پڑھایا جائے۔

بہرحال ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس کا یہ اقدام قابل تعریف و تقلید ہے۔ ساتھ ہی ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔

ممکن ہے کہ بعض اسکولوں کے ہیڈ ماسٹروں آرڈر کے باوجود اردو تعلیم میں رکاوٹیں پیدا کریں۔ کیونکہ جب انھیں درخواستیں دی گئی تھیں تو انھوں نے لینے سے انکار کیا تھا۔ لیکن وہ کب تک ایسا کریں گے اور ڈپٹی صاحب کے آرڈر کو دبائے رہیں گے۔ آج نہیں تو کل انھیں مجبور ہو کر آرڈر پر عمل کرنا ہوگا۔ ابھی ضلع کے تمام مقامات سے اطلاعات نہیں موصول ہوئی ہیں۔ تاہم بعض مقامات سے آمدہ اطلاعات مظہر ہیں کہ وہاں اردو کی تعلیم جاری ہو گئی ہے۔ مثال کے طور پر کمال پور اور شیخو پور پلیا کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ موضع کمال پور میں اردو جاری ہو چکی ہے۔ لیکن وہاں کے ہیڈ ماسٹر اسکول کی اس حرکت پر حیرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ جو انھوں نے تعلیم کا آغاز کرتے ہوئے کی۔ جن سرپرستوں نے اردو کے لئے درخواستیں دی تھیں ان کے بچوں کو ہیڈ ماسٹر نے یکجا کر کے سمجھایا کہ جو بچے ہندی پڑھیں گے وہ فائدہ اٹھائیں گے۔ اور انھیں ملازمت بھی ملے گی لیکن جو بچہ اردو پڑھے گا اسے ملازمت نہیں ملے گی۔ جو بچے اردو پڑھنا چاہتے ہوں ہاتھ اٹھا دیں۔ چند بچوں کے علاوہ سب نے ہاتھ اٹھا دیے اور کہا کہ ہم اردو ہی پڑھنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہیڈ ماسٹر کا یہ طرز عمل سراسر حکومت کی منشا اور ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولس کے آرڈر کے خلاف ہے۔ ممکن ہے دوسرے اسکولوں میں بھی اس کی تقلید کی جائے۔

امروہہ امروہہ ۲۴ اکتوبر۔ سجاد منزل کی وسیع عمارت میں انجمن ترقی اردو ہند شاخ امروہہ کی جانب سے یوم مصحفی جس کی تیاریاں کئی ماہ سے کی جا رہی تھیں۔ نہایت شاندار طریقے پر منایا گیا۔ صبح ۸½ بجے بزم مقالات کی پہلی نشست زیر صدارت عالی جناب مسعود حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ شروع ہوئی۔ شاخ امروہہ کے سکریٹری جناب عزیز احمد صاحب عباسی نے انجمن کے گزشتہ ادبی اجلاس کی کارروائی سے واقف کرائی۔

مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری محترم قاضی محمد عبدالغفار صاحب کا پیغام مبارکباد پڑھا گیا۔ ازاں بعد جناب نثار احمد صاحب فریدی نے محنت اور عرق ریزی سے ترتیب دیا ہوا مقالہ "مصحفی کے تذکرے"

پیش کیا، شاخ امروہہ کے صدر جناب سید محمد حسن صاحب نقوی نے اپنے تحقیقی مقالہ میں ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کرتے ہوئے جو مولد مصحفی کے سلسلے میں موقر جریدہ نگار لکھنؤ کے ایک مضمون سے پیدا ہو گئی تھیں بتایا کہ مصحفی کا مولد وطن دلائل عقلی و نقلی سے امروہہ ثابت ہو چکا ہے

اس نشست کے تیسرے مختصر مقالہ میں عالی جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی (دہلی کالج دہلی) نے مصحفی کے ذوق شعری پر روشنی ڈالی۔ اور حاضرین کو ان کی شاعری سے روشناس کرایا۔ آخر میں ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب صدر جلسہ نے اس کامیاب اجتماع پر شاخ کے کارکنوں کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا کہ میں آپ کے اس یادگار اجتماع میں شریک ہو کر بے حد خوش ہوا ہوں۔ آپ حضرات نے یوم مصحفی جس طریقے پر منایا ہے۔ وہ نہ صرف امروہہ شاخ کے لئے بلکہ مرکزی انجمن کے لئے بھی قابل فخر ہے۔

مقالات کی دوسری نشست عالی جناب خواجہ احمد فاروقی صاحب کی صدارت میں ۲½ بجے سے ۵ بجے شام تک جاری رہی۔ اس نشست میں مولوی سید حسین اصغر صاحب عنصری نے ایک دلچسپ مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا "مصحفی کا جمالیاتی شعور" حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی مدظلہ مفتی امروہہ نے ایک طویل مقالہ کے ذریعے حاضرین کو مصحفی کے تقریباً ایک سو تلامذہ اور ان کے نمونۂ کلام سے متعارف کرایا۔ اور جناب ڈاکٹر مسعود حسین خاں صاحب بالقابہ نے اپنے پر مغز مقالہ میں فن تنقید اور نقادوں کی اقسام پر تبصرہ کرتے ہوئے مصحفی کے تنقیدی شعور کو خراج تحسین پیش کیا۔ آپ نے فرمایا مصحفی شاعر نقاد تھے۔ اور آداب فن و رموز شعر دونوں کی رعایت رکھتے تھے۔

... [illegible] ...ن خاں صاحب کا مقالہ داد و تحسین کے نعروں میں ختم ہوا تو صدر جلسہ جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی نے حاضرین اور خصوصاً انجمن کے کارکنوں کو خطاب کیا، آپ نے فرمایا، ناسازگار حالات اور ہر ممکن مخالفت کے باوجود آپ نے یوم مصحفی کے اجتماعات کو جس طرح کامیاب بنایا ہے۔ اس سے آپ کی بلند ہمتی اور کام کرنے کے حوصلہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہی اندازہ میرے لئے آپ کو خطاب کرنے کا محرک ہوا ہے۔ آپ کے سامنے اردو کی خدمت کا وسیع پروگرام ہے اردو کے مستقبل سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف بلند ارادوں اور سراپا عمل بننے کی ضرورت ہے۔

مقالات کی دو کامیاب نشستوں کے بعد شب میں ۹ بجے استاد الاساتذہ حضرت مانی جائسی مدظلہ کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا۔ سجاد منزل کی وسیع عمارت سامعین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، بیرونی شعراء میں جناب محشر عنایتی رام پوری، سحر صاحب رام پوری قمر صاحب مرادآبادی، خلیل صاحب بچھراونی جناب رئیس نیازی حضرت شوق بہرائچی اور دوسرے ممتاز شعراء نے اپنے طرحی اور غیر طرحی کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ مشاعرہ ۳ بجے شب تک جاری رہا اور یوم مصحفی کے تمام اجتماعات غیر معمولی طور پر کامیاب رہے۔

مشاعرہ کے اختتام پر انجمن کی جانب سے جملہ سامعین کا اور خصوصاً بیرونی مہمانوں اور انجمن کے رضاکاروں کا شکریہ ادا کیا گیا۔

کرنول

عبدالرحمٰن خاں صاحب نامر جائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کرنول اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

۱۵ر اکتوبر ۱۹۵۳ء کو عثمانیہ کالج میں انجمن ترقی اردو کرنول کا جلسہ ہوا جس کی صدارت مولانا سید غضنفر علی صاحب زیدی نے فرمائی۔ شبینہ مدرسہ جس کے قیام کو ایک ماہ کا عرصہ ہوا۔ سکریٹری نے اس کی روئداد سنائی اور زیدی صاحب نے اردو زبان کی اہمیت پر ایک مختصر تقریر فرمائی اور طالب علموں سے کہا کہ ان کا ذوق و شوق اردو سیکھنے سے متعلق اسی طرح برقرار رہا اور اسی طرح دن بدن طالب علموں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا تو آئندہ اس میں اردو کا مستقبل ہمیشہ ہمیشہ درخشاں رہے گا اور زبان کو دائمی زندگی مل جائیگی آخر میں صدر صاحب نے ان طالب علموں کو انعامات تقسیم کیا جنھوں نے نمایاں ترقی کی تھی۔ انعام پانے والوں کے نام یہ ہیں۔ پہلا انعام عبدالرحمٰن خاں پیڑی مرچنٹ دوسرا انعام سلطان محی الدین گونڈا تیسرا انعام نظیر احمد۔

آخر میں والنٹیرس اور صدر صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا۔

بمبئی

کالج بمبئی کا اردو بزم ادب ہمیشہ اردو زبان کے متعلق دلچسپ تحریکیں شروع کرتی ہے۔ اب اس نے اعلان کیا ہے کہ تعلیمی اداروں کے اہل قلم حسرت موہانی پر مضامین لکھ کر اردو لٹریری سوسائٹی میں ۲۵ر نومبر ۱۹۵۳ء تک بھیج دیں۔ بہترین مضامین پر ۲۰۰ انعامات دئے جائیں گے اور انعامات کا اعلان ۱۰ر دسمبر کو حسرت ڈے کی تقریب میں جو کالج میں منائی جائے گی، کیا جائے گا۔ مضامین کے لئے حسب ذیل عنوانات تجویز کئے گئے ہیں۔

(۱) حسرت موہانی (۲) حسرت اور ہندوستان۔
(۳) حسرت اور لوکمانیہ تلک
(۴) حسرت کا سیاسی کردار
(۵) حسرت کی اردو خدمات
(۶) حسرت کا تغزل
(۷) حسرت جدید شعرا کی محفل میں
(۸) حسرت کا تصوف
(۹) حسرت بحیثیت نقاد
(۱۰) حسرت میری نظر میں

شاہ گنج

شاہ گنج (جون پور) (بذریعہ ڈاک) یہاں ۴ ہر اکتوبر کو انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک ضلع اردو کانفرنس سید احتشام حسین کی صدارت میں ہوئی۔ اس کانفرنس میں احتشام صاحب نے بہت سی کام کی باتیں فرمائیں۔ جن پر اردو کے حامیوں اور دوستوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ انھوں نے فرمایا کہ:۔

(۱) اگر آپ اردو زبان کے لئے حقوق طلب کرتے ہیں تو آپ کو ہر زبان کے آزادانہ بڑھنے، پھیلنے اور استعمال کئے جانے کے حق کو تسلیم کرنا چاہیے۔

(۲) آپ کو ہندی زبان اچھی طرح سیکھنا چاہیے۔ تاکہ آپ اس کی مدد سے اپنے ادب کو بھی فائدہ پہنچا سکیں۔ اور دنیاوی ترقی کے دروازے بھی آپ پر کھل سکیں۔

(۳) اردو کو زیادہ سے زیادہ عام فہم اور آسان بنانے کی کوشش کریں۔

(۴) اردو کی کتابیں، اخبارات و رسائل خریدیں اور پڑھیں۔

(۵) اردو کا کام کرنے والے اداروں کی مدد عملی طور پر کرتے رہیں۔

(۶) اردو ادب کے دامن کو ہر طرح کی تنگ نظری اور فرقہ پرستی سے بچائے رکھیں۔

(۷) اردو کے ذریعے سے ملک میں قومی اتحاد، آزادیٔ خیال اور تہذیبی ارتقا کا صور پھونکیں۔

(۸) حالات کے بدل جانے کی وجہ سے اردو زبان میں ایسی تبدیلیوں کے لئے تیار ہوں جو اس کی آئندہ ترقی کے لئے مفید ہوں۔

احتشام حسین صاحب نے اپنی تقریر کے شروع میں کہا کہ جہاں تک میرے علم اور میری یاد کا تعلق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس علاقے میں یہ پہلی اردو کانفرنس ہے جو اتنے بڑے پیمانے پر منعقد کی گئی ہے۔ اس کی یہ خصوصیت بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ محض ایک ادبی اور شاعرانہ اجتماع نہیں ہے۔ بلکہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی ایک شاخ کی سرگرمیوں کے عملی اور تنظیمی پہلوؤں کا اظہار ہے۔ اس کی نسبت ایک اہم قومی ادارے سے ہے۔ اور اس کے اغراض و مقاصد بالکل واضح ہیں۔ اس کے سامنے ایک راہ عمل ہے۔ اور اردو زبان کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے کی ایک روایت ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ اس کانفرنس میں جن مسائل پر بھی غور کیا جائے گا ان میں سنجیدگی اور بلند نگاہی کا خاص خیال رکھا جائے گا اور جو فیصلے ہوں گے وہ اردو زبان اور انجمن ترقی اردو کے شایان شان ہوں گے۔

اردو کی خدمات

خطبۂ صدارت میں احتشام صاحب نے اس بات پر زور دیا کہ اردو میں جو کچھ بھی خامیاں رہی ہوں، لیکن اس نے تنگ نظری، فرقہ پرستی اور منافرت کے جذبات کو کبھی نہیں اپنایا۔

انھوں نے کہا کہ یہ آپ جانتے ہی ہیں کہ ملک کی تقسیم ہونے اور انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندوستان میں اچھی بُری بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔ نیا دستور بنا۔ نئی آزادیاں اور نئی پابندیاں ہاتھ آئیں۔ نئے قانون بنے اور نئے ارمان سینوں میں مچلے۔ زبان کے معاملے میں جو اہم فیصلہ ہوا وہ یہ تھا کہ ہندی سارے ملک کی سرکاری اور قومی زبان ہوگی۔ یہ فیصلہ صحیح ہوا یا غلط۔ یہ ایک علمی بحث ہے لیکن قانونی اور دستوری حیثیت سے اب یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ اسی دستور میں یہ بھی ہے کہ ہر گروہ اور اقلیت کے کلچر اور مذہب وغیرہ کا تحفظ کیا جائے گا۔ یہی دستور جب ہندوستان کی چودہ زبانیں گنتا ہے۔ تو اس میں اردو کا نام بھی لیتا ہے۔ یوں بظاہر اردو کے تحفظ اور بقا کی طرف سے کوئی الجھن نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن بعض حلقوں اور ریاستوں کی طرف سے طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کی جا رہی ہیں مثلاً یہ کہ اردو کا سوال اٹھانے سے ملک کا اتحاد درہم برہم ہوگا۔ تعلیم میں دشواریاں پیدا ہوں گی۔ سرکاری دفتروں میں دو زبانوں میں انتظام کرنا ہوگا۔ اور جب دونوں زبانیں ایک ہیں تو پھر رسم خط کیوں نہیں بدل دیا جاتا تاکہ فرق باقی نہ رہے۔ اور چونکہ اردو والے کم ہیں اس لئے یہ قربانی انھیں کو پیش کرنا چاہیے۔ اردو کا رسم خط مشکل بھی ہے ——— یہ ساری باتیں دلوں کے چور کا پتہ دیتی ہیں۔ کیونکہ یہ باتیں ہندوستان کی دوسری دس بارہ زبانوں کے لئے نہیں کہی جاتیں۔ ملک کا اتحاد ان کے وجود سے برہم کیوں نہیں ہوتا۔ ان سے انتظامی دشواریاں کیوں نہیں پیدا ہوتیں۔ ان کے بولنے والے کو دوسری زبان میں اپنا کام چلانے کی تلقین کیوں نہیں کی جاتی۔ ان سے رسم الخط کے بدلنے کا مطالبہ کیوں نہیں کیا جاتا؟ دنیا میں کئی ممالک ہیں جہاں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بلکہ ہر شخص کو کئی زبانیں جاننا پڑتی ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو ان دشواریوں کا خیال نہیں پیدا ہوتا۔ نہ روزمرہ کی ضروریات کیلئے نہ تعلیم کے لئے۔ انتظامی معاملات میں ذرا سی دشواری کے لئے یہ تو نہیں کیا جا سکتا کہ آبادی کے ایک بڑے حصے سے اس کی زبان چھین لی جائے۔ روس میں بہت سی زبانیں ہیں، سب زندہ ہیں سب ترقی کر رہی ہیں اور سب قومی زبانیں ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ابھی حال ہی میں ہندوستان کی زبانوں کے لئے یہی بات کہی تھی کہ یہاں جو زبانیں بولی جاتی ہیں سب کی سب قومی ہیں۔ کسی ایک کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسری زبان کو غیر قومی سمجھ کر نقصان پہنچائے یا ذلیل نظروں سے دیکھے سوئٹزرلینڈ کے ایک ہی علاقے میں تین یا چار زبانیں بولی جاتی ہیں اور وہاں کسی قسم کا انتشار نہیں پیدا ہوتا۔ مگر یہاں دشواری کے نام پر اردو کو اس کے جائز حق سے محروم رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ریاست اتر پردیش میں اردو پر سخت برا وقت

آپڑا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو کو مٹانے کی کوشش ایک خاص قسم کے انتقامی جذبے کے تحت کی جا رہی ہے۔ اس کی انتہا اس وقت ہو گئی جب ابتدائی تعلیم میں ان بچوں کو جن کی مادری زبان اردو تھی۔ ہندی اور صرف ہندی پڑھنے پر مجبور کیا گیا۔ ثانوی مدارس سے اسے ختم کیا گیا اور کالجوں سے اس کے پڑھانے والے برطرف کئے گئے حکومت ہند کا مرکزی تعلیمی شعبہ یہ کہتا رہا کہ بچوں کی تعلیم ان کی مادری زبان میں دے دی جائے گی۔ اتر پردیش کی حکومت یہ کہتی رہی کہ اس ریاست کے ہر شخص کی مادری زبان ہندی ہے۔ جب یہ حالت ہوئی تو خطرے کا احساس ہوا اور اس فضا کو بدلنے کی کوشش شروع ہوئی۔

اردو والوں نے اسے تسلیم کر لیا کہ ملک کی قومی زبان ہندی ہے اور ہر شخص کو اس زبان سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں سب سے افسوسناک بات یہ ہے کہ بہت سے ہندی کے پرچارک نہ جانے کیسے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اردو کی ترقی سے ہندی کا نقصان ہوگا اور جب تک اردو کو مٹا نہیں لیا جائے گا ہندی کا بول بالا نہیں ہوگا۔ اگر کسی اردو دوست کے دل میں ہندی کے متعلق یہ خیال ہو تو اسے بھی اپنے دل سے نکال دینا چاہئے۔ کیوں کہ اردو زبان اپنے حق، اپنی قوت، اپنی خوبیوں سے زندہ رہنا چاہتی ہے دوسری زبانوں سے اس کی کوئی لڑائی نہیں ہے۔ ہندی کو تسلیم کرنے کے علاوہ اردو والوں نے اس پر بھی زور دیا کہ اردو کو آسان ہونا چاہئے۔ تاکہ آہستہ آہستہ اردو ہندی کی خلیج کم ہوتی جائے۔ مگر حکومت اور بعض دوسرے ذمہ داروں کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ہندی کو بالکل سنسکرت بنا دیا جائے اور ہندی ہی کے ان الفاظ کو بھی جن پر اردو ہونے کا دھوکہ ہو بول چال کی زبان سے نکال دیا جائے۔ اس جنون نے یہ صورت اختیار کی کہ پہاڑ، پانی، پیڑ، دن اور گھر، پربت، اُتھو اجل، برکش، دوش اور گرہ میں تبدیل ہو گئے۔ اس کو یاد رکھئے کہ اس کا مقابلہ ہندی کا مذاق اڑا کر یا غصہ کا اظہار کر کے نہیں کیا جا سکتا۔ زبانوں کے بننے بگڑنے میں وقت لگتا ہے۔ اس لئے مصنوعی زبان بنانے کی کوشش آسانی سے کامیاب نہیں ہو سکتی ہمیں سنجیدگی کے ساتھ اردو کو آسان، عام فہم، ترقی پسند بنانے کی کوششوں میں لگے رہنا چاہئے۔ تاکہ جیسے ہی یہ طوفان تھمے ایک سادہ اور جاندار زبان نمونے کے لئے لوگوں کے سامنے موجود ہو۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ جو خطرے پیدا ہو رہے تھے ان کا احساس کر کے انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ نے اردو کو علاقائی زبان کی حیثیت دلانے کی جدوجہد شروع کی اور ہندوستان کے دستور اساسی کے مختلف دفعات اور خاص کر دفعہ ۳۴۷ کا سہارا لے کر یو۔ پی کے بیس، اکیس لاکھ اردو والوں کی طرف سے صدر جمہوریہ کے سامنے یہ درخواست پیش کی کہ تعلیمی اور دفتری کاموں کے لئے اردو کو بھی اتر پردیش کی علاقائی زبان قرار دیا جائے۔ چند اور مطالبات بھی تھے جو اردو کی ترقی اور باوقار زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے اخبارات میں ساری تفصیلات پڑھی ہوں گی۔ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ صدر محترم کی خدمت میں جو وفد یہ یادداشت لیکر گیا تھا۔ وہ پُرامید لوٹا۔ کیونکہ موصوف نے تمام باتوں کو ہمدردانہ سن کر فرمایا کہ وہ اپنی حکومت سے مشورہ کر کے جلد ہی ایک سرکاری بیان شائع کریں گے جو کسی وجہ سے بیان آج تک شائع نہیں ہوا لیکن اس کے اثر سے اتر پردیش کی حکومت کے رویے کی تبدیلی ضرور ہوئی جس کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔

اردو کی درسی کتابیں نایاب

صوبائی حکومت اردو تعلیم کے اجرا کا آرڈر دے کر خاموش ہو چکی ہے۔ اور آئے دن اس کے نااہل افسران اردو والوں کو طرح طرح سے پریشان کر رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے جب یہ سہولت مل گئی کہ جس اسکول کے چالیس یا جس کلاس کے دس لڑکے اردو پڑھنا چاہیں گے انہیں اردو ہی میں تعلیم دی جائے گی، تو کسی جگہ کا ہیڈ ماسٹر درخواست لینے سے انکار کرتا ہے اور کسی حلقے کے ڈپٹی انسپکٹر صاحب رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ ہیڈ ماسٹر نے درخواست لینے کے بعد خاموشی اختیار کر لی اور انسپکٹر کو اطلاع تک نہ دی۔ صرف ایک ضلع میں نہیں بلکہ پورے صوبے میں تقریباً یہی صورت حال ہے۔ اردو والے چلا چلا کر آواز لگا رہے ہیں مگر کوئی شنوائی نہیں۔ اردو والوں کے تمام مطالبات نقار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ گئے ہیں۔

ایک طرف اردو کی ترویج کے سلسلے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو دوسری طرف اردو قصلات کی کتابیں بازار سے غائب ہیں۔ پرائمری اسکولوں کے لئے بیسک ریڈر اردو (پانچ حصے) اور جونیئر ہائی اسکول کے لئے "گل خنداں" ہر سہ حصہ منظور شدہ ہیں۔ درجات سوم چہارم اور ہشتم کی کتابوں کے علاوہ دوسرے درجات کی اردو کتابوں لکھنؤ اور الہ آباد سے مل جایا کرتی ہیں لیکن بیسک ریڈر (اردو) حصہ سوم چہارم اور گل خنداں حصہ سوم بازار سے غائب ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کتابیں کسی ایک ضلع کے لئے نہیں بلکہ پورے صوبے کے لئے ہیں اور جبکہ لکھنؤ اور الہ آباد کے پبلشروں کے ہاں موجود نہیں ہیں تو کس طرح اردو کی تعلیم جاری رہ سکتی ہے بہت سے اسکولوں کے ان درجات میں اردو کا گھنٹہ خالی رہتا ہے کیونکہ طلبا کے پاس کتابیں ہی نہیں ہیں کتنے ہی اسکول ایسے ہیں جن میں بیس یا پچیس طلبا کے درمیان محض ایک یا دو کتابیں ہیں جس کی وجہ سے تحت

دشواری کا سامنا ہے۔ مقامی کتب فروش اور مدرسین لکھنؤ اور الہ آباد کے پبلشروں کو آرڈر دیتے ہیں تو ہر درجہ کی کتابیں کم دیتے ہیں مل جاتی ہیں اور نہیں دستیاب ہوتیں تو درجات سوم، چہارم اور ہشتم کی ــــ۔"

اسکولوں کو کھلے ہوئے کئی ماہ ہو گئے۔ طلبا نے کتابیں خریدیں، پھر بھی ہندی کی کتابیں عام طور پر فروخت ہو رہی ہیں لیکن اردو کی کتابیں بازار سے غائب ہیں درآنحالیکہ اب بھی درجات سوم، چہارم اور ہشتم کے لئے ہزاروں کی تعداد میں اردو کتب درکار ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پبلشر حکومت کی پالیسی کو دیکھتے ہوئے اردو کی کتابیں یا تو چھاپتے ہی نہیں یا اتنی قلیل تعداد میں چھاپی گئیں کہ جلد ہی ان کا اسٹاک ختم ہو گیا۔

حکومت یو پی کو قول و عمل کے تضاد کو ختم کرنے کے لئے فوراً اس طرف متوجہ ہو جانا چاہئے۔ (نامہ نگار)

تبصرے

چند نظمیں

یہ نظمیں حضرت برجموہن دتاتریہ کیفی کے تازہ کلام سے انتخاب کر کے شائع کی گئی ہیں۔

(ناشر رحمت قطبی احاطہ کالے صاحب دہلی ہیں اور ملنے کا پتہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ہے۔ قیمت ایک روپیہ)

حضرت کیفی کی ذات اور ان کے کلام کا تعارف کرانا ایک بیجا جسارت ہوگی۔ موصوف ان بزرگوں میں ہیں جو اردو زبان کے صرف خادم ہی نہیں بلکہ اس کے محسن بھی ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر اردو زبان کی خدمت اور آبیاری میں صرف کی ہے۔ ایک شاعر کی حیثیت سے حضرت کیفی نے حالی اور سرسید کی ادبی روایات کو قائم رکھا ہے۔ وہ شاعری میں زیادہ لفاظی اور قدیم رنگینی کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اس کے قائل ہیں کہ زندگی کے حقائق کو شعر کے لباس میں زیادہ دلنشیں بنا کر پیش کریں۔ زبان کے وہ صاف اور سلیس، ستھری اور صحیح زبان کا ایک معیار قائم کرتے ہیں، چنانچہ اس انتخاب میں ایک ایسی نظم بھی ہے۔ جس کی زبان عربی، فارسی اور سنسکرت کا ایک لفظ نہیں آیا۔ خالص اردو کا یہ ایک نمونہ موصوف نے پیش فرمایا ہے۔

وہ اس کے قائل نہیں کہ اردو کو دوسری زبانوں کے غیر ضروری لفظوں سے گرانبار کیا جائے۔ حضرت کیفی کا کلام اس معیار پر اترتا کہ موصوف کا بلند مقام شاعر سے زیادہ زبان کے ایک محقق کی حیثیت سے ہمارے لئے فکر و نظر کی راہیں کھولتا ہے۔ اس زمانے میں جبکہ فکر و نظر کی سطح زیادہ بلند نہیں، کیفی جیسے بزرگوں کا دم بہت غنیمت ہے ان کے افکار کو ہمارا رہنما ہونا چاہئے۔

نور

پندرہ روزہ رسالہ ہے جو چھوٹے بچوں کے لئے مہینے میں دوبار رام پور سے شائع ہوتا ہے۔ اس کا سالانہ چندہ سالنامہ سمیت چار روپے ہے۔ دوسرے سال کا پچیسواں اور چھبیسواں نمبر سالنامہ کے نام سے بڑے اہتمام کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ اس نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے اور ملنے کا پتہ یہ ہے:۔ دفتر الحسنات دفتر نور، رام پور، یوپی۔

بچوں کی ذہنی تربیت اور سدھار کا کام جتنا مشکل اور اہم ہے۔ اس کو اتنا ہی آسان اور غیر اہم سمجھ لیا گیا ہے جس کی وجہ سے بہت سی خرابیاں سوسائٹی کا جزو بن گئی ہیں اور بنتی جا رہی ہیں مگر اس کے روک تھام کی طرف بالکل توجہ نہیں کی جا رہی ہے۔

بچوں کا دل اور دماغ سادے کاغذ کی طرح ہوتا ہے۔ ان پر جو نشان بن جاتا ہے وہ ان کی عمر کے آخری وقت تک روشن رہتا

ہے۔ اسی لئے جو لوگ بچوں کے لئے کتابیں لکھتے ہیں ان کے لئے رسالے اور اخبار نکالتے ہیں ان کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہوتی ہیں اور صحافتی دیانت کا مطالبہ بھی یہی ہے کہ آج کے جو بچے کل ہماری زندگی کی روح بنیں گے۔ ان کو اچھی طرح سنوارا جائے اور ان کے سامنے کوئی ایسا نقش نہ رکھا جائے جس میں کچا رنگ استعمال کیا گیا ہو۔

نور کا سالنامہ بچوں کے لئے لائق مطالعہ اور مفید نتائج کا حامل ہے اور بڑی محنت سے مرتب کیا گیا ہے اور بچوں کے دوسرے بازاری رسالوں سے بہتر ہے۔

حقیت ذکر

بک ڈپو انجمن ترقی اردو دہلی سے شائع کی ہے اس کی قیمت دو روپے بارہ آنے ہے۔

یکم نومبر ۱۹۵۴ء کے پرچے میں بہ سلسلہ تبصرہ کتابت کی غلطی سے "حقیقت ذکر" کے بجائے "حقیقت فکر" چھپ گیا ہے ناظرین اس کی تصحیح کر لیں۔

لو ایک قصہ سنو

یہ اختر انصاری صاحب کے ایک افسانے کا عنوان ہے اور اسی عنوان سے ان کے اور کئی افسانوں کا مجموعہ فوق کریمی صاحب نے اپنے نوتشکیل ادارہ یونیورسٹی پبلشرز علی گڑھ سے شائع کیا ہے جس کی قیمت دو روپے بارہ آنے ہے۔

اختر انصاری صاحب اپنے اظہار خیال کے لئے جس طرح اپنے قطعات میں ایک خاص اسلوب رکھتے ہیں۔ اسی طرح ان کے افسانوں میں بھی ان کا ایک خاص انداز ہے۔

انصاری صاحب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ زبان صاف ستھری اور سلیس استعمال کرتے ہیں۔ جس کی طرف آجکل بہت کم توجہ کی جارہی ہے۔

افسانوں میں زیادہ تر علی گڑھ کی فضا کے اثرات ملتے ہیں اور کہیں کہیں تو خود افسانہ نگار کی جھلک دوسروں کے روپ میں نظر آتی ہے

علی گڑھ کے اعتبار سے کتاب کی لکھائی چھپائی اچھی ہے۔

نظامی

ماہانہ رسالہ ہے جو محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین الحاج پیر ضامن نظامی صاحب کی نگرانی میں بستی نظام الدین دہلی ۱۳ سے شائع ہوتا ہے۔

سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے اور ایک پرچے کی قیمت چار آنے ہے۔

رسالے کی اشاعت کا مقصد اصلاح اعمال کے ساتھ ساتھ علم و ادب کی خدمت ہے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے بزرگان کی سیرت سے عوام کو باخبر کرنا ہے جنہوں نے عالمی اخوت کا درس دیا ہے۔ اس قسم کے اخبار اور رسالے اپنے آپ کو کسی خانقاہ یا مذہبی ادارے سے نسبت دیکر گندگی کے بیوپار کے بجائے اگر صحیح خدمت کے جذبے کے ساتھ کام کریں تو ہماری بہت سی بگڑی بن جائے۔

امید ہے کہ رسالہ نظامی اپنے دامن کو گندے اور مخرب اخلاق اشتہارات سے پاک رکھے گا۔ اور معصوں کی لعنت سے بچا رہے گا۔

نئی کتابیں

تعارف

انجمن ترقی اردو (ہند) کی ایک گرانقدر کتاب

میر تقی میر — حیات اور شاعری

از :- ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ، ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی

میر کی شاعری میں قیامت کا سا ہنگامہ" اور "آگ کی سی لپٹ" ہے۔ اس کے پیچھے ادب اور سماج ، مواد اور ہیئت ، جذبہ اور فکر کا وہ گہرا رشتہ ہے جو تاریخی سچائیوں میں حسن اور زندگی پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لئے ان کا کلام "تیر نیم کش" کا درجہ رکھتا ہے۔ اور آج تک شاعری میں ان کی میر مجلسی مسلم ہے۔ لیکن اس موضوع پر ابھی تک کوئی محققانہ اور مبسوط کتاب نہیں لکھی گئی تھی۔

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ریڈر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے دس سال کی محنت کے بعد اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جو دیدہ دریافت اور تلاش و تحقیق کا نہایت اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس میں نہ صرف میر کی زندگی اور شاعری پر مدلل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بلکہ تمام ضروری مواد کو سماجی حقائق کی روشنی میں اس ترتیب سے جلوہ گر کیا گیا ہے کہ میر اور عہد میر کا ایک صحیح مرقع آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

•• اس اہم کتاب کے متعلق رسالہ "نگار" لکھنؤ اکتوبر ۱۹۵۴ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"میر کے حالات و تذکرہ میں اس تصنیف کو وہی امتیاز حاصل ہے جو تمام شعراء کے دواوین میں کلیات میر کو۔۔۔ میر ۱۱۳۷ھ میں پیدا ہوئے اور تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں انتقال کیا (۱۲۲۵ھ)۔۔۔۔ اس دور میں سلطنت مغلیہ اور دہلی کی تباہی و بربادی کا کوئی منظر ایسا نہ تھا جس سے میر متاثر نہ ہوئے ہوں اور یہ ایسا تکلیف دہ خرابہ ان کی طویل عمری کا تھا جس نے ان کی

شاعری کو بہت متاثر کیا۔

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے سب سے پہلے اسی تاریخی پس منظر کو سامنے رکھ کر میرؔ کی شاعری پر ایک بسیط تبصرہ کیا ہے جس سے نہ صرف اس عہد کی پوری تاریخ بلکہ میرؔ کی شاعری نے جو اثرات اس سے قبول کئے تھے وہ بھی نہایت وضاحت کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ میرؔ کے سوانح اور حالات زندگی لکھنے میں ایسی مورخانہ کاوش، اس سے قبل کسی نے نہیں کی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دوسرے باب میں میرؔ کی سیرت و شخصیت پر گفتگو کی گئی ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے بہت سی الجھنوں کو سلجھا دیا ہے جو مختلف و متضاد بیانات کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھیں۔

تیسرے باب میں میرؔ کی شاعری پر اظہار خیال کیا گیا ہے جو دو سو صفحات کو محیط ہے اس میں ان کے رنگ تغزل کی تمام خصوصیات، قصائد، مثنویات، مراثی، ہجویات اور فارسی کلام پر بڑی "کارآگہانہ" گفتگو کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں میرؔ کی تصانیف نثر کا ذکر کیا گیا ہے اور اسی سلسلے میں اس وقت کی ادبی محافل اور ہندو مسلم تعلقات پر بھی بڑا دلچسپ مواد انھوں نے فراہم کیا ہے۔

آخر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں تصانیف میرؔ کے بعض نادر و قلمی مخطوطات کا ذکر کیا گیا ہے اور ان ۲۱۰ کتابوں اور رسائل وجرائد کی فہرست دی گئی ہے جو اس کتاب کا ماخذ ہیں۔

الغرض ڈاکٹر فاروقی کی یہ کتاب میرؔ پر بہ لحاظ معلومات بڑی خصوصی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے فن تذکرہ نگاری میں اپنے رنگ کی بالکل پہلی تصنیف ہے۔

فاروقی صاحب چونکہ محض نقاد ہی نہیں بلکہ بڑے اچھے ادیب بھی ہیں۔ اس لئے قطع نظر انتقادی محاسن کے یہ کتاب زبان و اسلوب بیان کے لحاظ سے بھی بڑی دلکش چیز ہے۔"

••• مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم۔ اے پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ و مدیر رسالہ "برہان" دہلی کی رائے:۔

"واقعہ یہ ہے کہ ایسی عمدہ اور اعلیٰ کتاب جیسی میرؔ تقی میرؔ حیات اور شاعری" ہے اردو زبان میں ایک مدت کے بعد دیکھنے میں آئی۔ ۔ ۔ ۔ وسعت معلومات و صباحت کی یہ کیفیت کہ میرؔ کی حیات، شاعری اور ماحول میرؔ کا کوئی باریک سے باریک پہلو بھی ایسا نہیں ہے جس پر خواجہ احمد فاروقی صاحب نے سیر حاصل بحث نہ کی ہو اور اس راہ میں ان سربستہ دفاتر و دستاویزات کو نہ کھنگالا ہو جو اب تک دوسروں کے لئے خارج از دسترس رہے تھے۔ پھر شگفتگی بیان اور طرفگی اسلوب و حسن ادا کا یہ حال کہ کتاب پڑھتے وقت سکر کی سی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آج شبلی اور حالی زندہ ہوتے تو اس کتاب کی اصل داد دیتے"

حیاتِ اجمل

اس کے مرتب قاضی محمد عبد الغفار صاحب ہیں۔ اس سوانح حیات کا بہت دنوں سے انتظار تھا۔ اس میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب کی صرف سوانح عمری ہی نہیں ہے بلکہ اس دور کی پوری سیاسی تحریکات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں حکیم صاحب مرحوم کی عظمت و کردار کا پتہ چلتا ہے۔

اس کتاب کی بڑی خوبی مصنف کے انداز بیان کی دلکشی بھی ہے۔ جس کے متعلق بمبئی کے انگریزی اخبار بھارت جیوتی نے لکھا ہے کہ:۔

"قاضی محمد عبد الغفار نے جو اردو کے بہت بڑے عالم اور انشاپرداز ہیں۔ ایک عظیم الشان شخصیت کی سوانح حیات لکھ کر بڑی خدمت انجام دی ہے۔ یہ کتاب اس زمانے کے سیاسی انقلابات کی ایک مستند تاریخ ہے۔ اور پرلطف اردو میں لکھی گئی ہے۔"

(قیمت مجلد آٹھ روپے)

حیاتِ سرسیّد

"حیات سرسیّد" سید مرحوم کے ان گنت احسانات ہماری قوم پر ہیں۔ وہ ہماری قوم کے سب سے بڑے آدمی تھے اور بڑے آدمیوں کے کارنامے قوم میں زندگی کی روح پیدا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں سید مرحوم کی عظیم الشان زندگی کا خاکہ پیش کیا گیا ہے تاکہ عام پڑھنے والے ان کے بڑے بڑے کاموں اور ان کی زندگی کے خاص خاص پہلوؤں سے واقف ہو جائیں۔ اس کے مرتب نور الرحمان صاحب بی۔ اے ہیں۔ قیمت تین روپے آٹھ آنے

انجمن کے شاہکار

باپو کے قدموں میں

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد نے گاندھی جی کے ساتھ اپنی ابتدائی سیاسی زندگی کا حال بہت دلچسپ پیرائے میں لکھ کر شائع کرایا تھا۔ لیکن وہ کتاب دیوناگری رسم الخط میں تھی۔ اس لئے محترم صدر کی اجازت سے انجمن نے اس کو اردو رسم الخط میں منتقل کیا ہے۔

طباعت بہترین ٹائپ کی ہے اور بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ انجمن نے اس سے زیادہ دیدہ زیب اور خوبصورت کتاب ابھی تک کوئی اور شائع نہیں کی۔ فاضل سوانح نگار کے اعلیٰ مرتبے کا لحاظ کرکے انجمن نے اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد کے قلم سے گاندھی کی تعلیمات کا یہ مطالعہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ اور اس قابل ہے کہ ملک کے ہر کتب خانے میں جگہ پائے۔

اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر حصے کی قیمت پانچ روپے ہے۔ اور مکمل سٹ کی قیمت پندرہ روپے

ترقی پسند ادب

یہ کتاب ترقی پسند شاعر سردار جعفری کی تصنیف ہے۔ اور غالباً اس موضوع پر پہلی مستند کتاب ہے۔ اس میں ترقی پسند ادبی تحریک کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے کہ ترقی پسند تحریک کا رشتہ بین الاقوامی ہے جو قومی حدود اور جغرافیائی سرحدوں کو توڑ کر انسانیت کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے۔ جو انصاف، محنت، اور آزادی کے جذبے میں ڈوبا ہوا ہے اور کسی قوم کی برتری اور تفوق کا تصور اس نئی دنیا میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

ان اوراق میں بہت سی غلط فہمیوں کو جو ترقی پسند ادب کی تحریک کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ کتاب بہترین ٹائپ میں اعلیٰ قسم کے چکنے کاغذ پر چھاپی گئی ہے۔

قیمت مجلد ۷ روپے

مرقع افغان

(تالیف مولانا ابرار حسین صاحب فاروقی)

افغانوں کے لودھی خاندان کے دور حکومت کی ایک مختصر تاریخ ہے جس میں اس عہد کی قدیم تاریخوں سے مدد لی گئی ہے۔

جن تاریخ نگاروں اور ادیبوں نے اس کتاب کو دیکھا ہے وہ فاضل مولف کی محنت کو سراہتے ہیں۔

قیمت تین روپیہ چار آنے

احوال غالب

(مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو)

غالبیات کے اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے جو انجمن شائع کرنا چاہتی ہے۔ ملک میں اصحاب ذوق اور اہل نظر نے اس کتاب کا بہت پرجوش خیر مقدم کیا ہے۔ فاضل مولف غالبیات پر بہت وسیع نظر رکھتے ہیں اور اس موضوع کے مسلم ماہرین میں سے ہیں جس محنت اور وسعت نظر کے ساتھ یہ کتاب مرتب کی گئی ہے اس کا اعتراف ملک کے بہترین اہل علم اور ادیبوں نے کیا ہے۔

(قیمت نو روپے فی جلد)

میر تقی میر

(مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی۔ دہلی یونیورسٹی)

ملک کے بہترین ادیب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ میر کے متعلق ڈاکٹر فاروقی کا مطالعہ بہت گہرا اور وسیع ہے اور اس کے دیکھنے ہی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آج تک میر کی سوانح اور کلام کے متعلق اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی۔

اس کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ فاضل مولف نے میر کے زمانے کے تاریخی حالات کو ان کی پوری زندگی اور شاعری کا پس منظر بنایا ہے۔ اور اس طرح ایک تاریخی فریم میں میر کی سیرت کا عکس پیش کیا ہے۔ ابھی تک اردو ادب میں بہت کم ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں تاریخی پس منظر کے ذریعے سے سیرت اور کردار کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ انجمن اس بات کو اپنا ایک کارنامہ سمجھتی ہے کہ اس نے ڈاکٹر فاروقی سے ایک ایسی اچھی کتاب لکھوائی جس نے تاریخ ادب کے مطالعے کا ایک نیا راستہ پیدا کر دیا۔

(قیمت بارہ روپے فی جلد)

"ہماری زبان" سے متعلق خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر سے چندہ بھیجتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے (منیجر)

یادگار حالی

اس کتاب میں جدید ادب کے ایک بڑے معمار کے متعلق بہت ہی دل نواز پرچھائیاں جمع کی گئی ہیں۔ مولانا حالی کی شخصیت کو سوانح نگار بحیثیت ایک انسان، بحیثیت ایک شاعر و ادیب اور بحیثیت ایک مصنف اور سوانح نگار پیش کیا گیا ہے۔

اس کی ترتیب بیگم صالحہ عابد حسین نے کی ہے جو خواجہ صاحب مرحوم کی نواسی ہیں۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کا پیش لفظ مولانا آزاد مدظلہ نے سپرد قلم فرمایا ہے۔

جدید ادب کی تاریخ کے طالب علم اس کتاب کے مطالعے کے بغیر اپنی معلومات تشنہ پائیں گے۔ بیگم صالحہ عابد حسین نے اس خاندانی امانت کو قلم و قرطاس کے سپرد کر کے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اور مولانا حالی کی سوانح حیات پر لکھنے والوں کے لئے قیمتی اور مستند سامان فراہم کیا ہے۔

(قیمت چار روپے چار آنے)

محاسن کلام غالب

مرزا غالب پر یوں تو اردو زبان کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر محاسن کلام غالب میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم نے جس انداز اور جدت کے ساتھ غالب کو پیش کیا ہے اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی اور اس لحاظ سے یہ پہلی کتاب ہے جو غالب کے سلسلے میں لکھی گئی ہے۔

یہ چوتھا اڈیشن ہے جس کو مرزا مرحوم کی تصویر کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس میں بجنوری مرحوم کی تصویر اور ان کے ایک خط کا عکس بھی شامل ہے۔

(قیمت ایک روپیہ چار آنے)

ادبی اور قومی تذکرے

پنڈت کشن پرشاد صاحب کول کے چودہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ پنڈت جی پختہ کار ادیب کی حیثیت سے کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ اس کتاب میں پنڈت جی نے جو کچھ لکھا ہے اس میں ان کا خلوص شامل ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ پنڈت جی کی پرورش ایک ایسے ماحول میں ہوئی ہے جہاں ملی جلی تہذیب کا سنگم تھا اور اتحاد و اتفاق کی بہاریں تھیں۔

اس کتاب پر ملک کے تمام اخبارات و رسائل نے تبصرہ کیا ہے اور آل انڈیا ریڈیو سے بھی پروفیسر خواجہ احمد فاروقی صاحب نے ریویو کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ پنڈت جی نے ادبی اور تہذیبی مسائل پر پورے غور و فکر کے بعد قلم اٹھایا ہے اور اسلوب کی دلکشی نے ان مسائل میں زندگی کی گرمی اور حرکت پیدا کر دی ہے۔

(قیمت چھ روپے)

مخدوم

(انتخاب کلام مخدوم محی الدین)

نئی نسل کے ممتاز اور ترقی پسند شاعروں میں مخدوم کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کی شاعری، اس بے پناہ جذبے کے تحت ان کی ابتدائی زندگی میں شروع ہوئی تھی اور بعد کی سیاسی مصروفیات میں تقریباً ختم ہو گئی تھی۔ پھر بھی جو کچھ انھوں نے لکھا وہی نئی نسل کے طاقتور احساسات کا آئینہ دار ہے۔ انجمن نے نوجوان شعراء کے کلام کے انتخابات کا جو سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس کی ایک کڑی یہ کتابچہ بھی ہے۔

(قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

ناشر:- انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پریس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔